مقالات

نکاح کتابیہ

از جناب مولوی صدرالدین صاحب مدرسۃ الاصلاح سرائے میر ضلع اعظم گڈھ

یورپ کی تہذیب مشرقی ممالک پر جس حیرت انگیز سرعت کے ساتھ قابض ہوتی چلی جارہی ہے ارباب نظر سے پوشیدہ نہیں اور اس کے جو مضر اثرات پیدا ہوئے ہیں وہ بھی محتاج بیان نہیں۔ مشرق کا مذہب اور اس کا تمدن دونوں مساوی طور پر اس سے متاثر ہو رہے ہیں۔ اسلام اور مسلمانوں کی انتہائی بدقسمتی کا یہ کس قدر افسوس ناک مظاہرہ ہے کہ ہم دوسروں کو اپنے رنگ میں رنگنے کے بجائے خود اپنے ہی کو غیروں کے رنگ میں رنگتے جارہے ہیں۔ اور اسلامی تہذیب و معاشرت کو چھوڑ کر نہ صرف اپنی سیزدہ صد سالہ روایات کو محو کر رہے ہیں بلکہ اس کے ساتھ ہی ایمان اور اسلام کی بھی بیخ کنی کرنا چاہتے ہیں۔ ایک طرف ہماری تہذیب اور ہمارا مذہب ہے جس کے بند میں شگاف پڑتے جارہے ہیں۔ دوسری طرف تہذیب مغربی کا سیلاب ہے جو ان شگافوں میں سے روز افزوں تیزی کے ساتھ بڑھتا چلا آرہا ہے۔ مغربی فتنہ اپنی گوناگوں رنگینیوں کے ساتھ مختلف شکلوں میں نمودار ہوتا ہے اور دیکھتے دیکھتے اسلامی ماحول میں ایک وبا کی طرح پھیل جاتا ہے۔

ان فتنوں میں سب سے زیادہ خطرناک اور روح اسلام کو پیام ہلاکت دینے والا فتنہ ”مغربی حسن“ ہے ہر سال ہزاروں کی تعداد میں مغربی ساحرات اپنی ایمان سوز ادائیں لے کر ساحل ہند پر اترتی ہیں اور ملک کا ”تعلیم یافتہ“ اور ”مہذب“ طبقہ“ اپنی متاع جان و ایمان لے کر ان کے سامنے حاضر ہوجاتا ہے۔ یہ بے پناہ طوفان یورپین فتوحات کا ایک زبردست حربہ ہے جس کی طرف اگر ہمارے ارباب حل و عقد اور ملی رہنماؤں نے پوری توجہ نہ کی تو انھیں یقین رکھنا چاہیے کہ اسلامی تاریخ کے آئندہ صفحات میں وہ ایک افسوسناک باب کا اضافہ کریں گے۔

مگر افسوس تو یہ ہے کہ اس فتنہ کو مذہبی عدالتوں سے مدافعت کے بجائے سند جواز حاصل ہو رہی ہے آج کی صحبت میں چاہتا ہوں کہ کتاب وسنّت کی روشنی میں وقت کے اس اہم ترین مسئلہ کی حقیقت دریافت کروں اور ساتھ ہی سیاسی اور تمدنی نقطۂ نظر سے بھی ازدواج بالاجانب کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالوں۔

قرآن میں ایک جگہ ہے:۔

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ (مائدہ ۱:) اور تمہارے لئے جائز ہے ان لوگوں کی عفیفہ عورتوں سے نکاح جن کو تم سے قبل کتاب دی گئی۔

اس آیت کے عموم اور ظاہری الفاظ سے متبادر ہوتا ہے کہ جو لوگ بھی اہل کتاب ہیں ان کی عورتوں سے نکاح جائز ہے خواہ ان کا عقیدہ اصل تعلیمات سے کتنا ہی بعید کیوں نہ ہو کیونکہ یہاں صرف اُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ کی قید ہے اور قرآن نے بلا امتیاز اعمال وعقائد ہر فرقہ اور ہر عقیدے کے یہود و نصاریٰ کو لفظ اہل کتاب سے تعبیر کیا ہے۔

یہی ایک آیتہ ہے جس کی آڑ میں اتنا عظیم الشان فتنہ اسلامی ممالک میں بویا جا رہا ہے اور لوگوں کے لیئے اباحت کے دروازے کھل گئے ہیں لیکن میرے خیال میں آیتہ مذکورہ کا یہ مفہوم کسی طرح سے بھی روح اسلام کی ہم نوائی اور دیگر نصوص کی مطابقت نہیں کرتا، اور نہ اسلامی تعلیمات کا فلسفہ کبھی اس کی اجازت دے سکتا ہے بیشک اس آیت میں نکاح کتابیات کی حلت کا صریحی بیان موجود ہے لیکن اگر دوسرے نصوص سے آنکھیں بند نہ کرلی جائیں تو ماننا پڑتا ہے کہ یہ حکم اہل کتاب کے ایک خاص فرقہ سے متعلق تھا جو اپنی گوناگون خوبیوں کی وجہ سے دیگر فرق ضالہ سے ممتاز تھا۔

اس اجمال کی تفصیل معلوم کرنے کے لیے اہل کتاب کے مختلف فرقوں کے متعلق خدا کے آخری مقدس اور مہیمن کلام پر ایک تفصیلی نظر کرنے کی ضرورت ہے اور ساتھ ہی نکاح کے جواز وعدم جواز کے متعلق جو آیات ہیں ان کا تتبع بھی لابدی ہے۔

کافرہ اور مشرکہ کی حرمت کے بارے میں تو شاید کسی بحث و تمحیص کی مطلقاً ضرورت نہیں قرآن کا کھلا ہوا ارشاد موجود ہے۔

لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ — مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں

اسی طرح کافرہ کے بارہ میں بھی حکم ناطق موجود ہے۔

لَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ — کافر عورتوں کی عصمتوں پر قبضہ نہ رکھو۔

ظاہر ہے کہ ان آیات میں ازدواج کی علت سوائے "شرک" اور "کفر" کے دوسری کوئی شئے نہیں ہو سکتی چنانچہ پہلی آیت میں تو حَتّٰى يُؤْمِنَّ کہکر اس حقیقت کی طرف انگلی اٹھا کر اشارہ بھی کر دیا، اب دیکھنا یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کے متعلق قرآن کیا کہتا ہے۔

یہ تو مسلم ہے کہ ان کے مختلف فرقے تھے جن کے عقائد ایک دوسرے سے جدا گانہ تھے چنانچہ قرآن نے ایک ہی مقام پر نصاریٰ کے دو فرقوں کا ذکر کر کے ان کی اساسی گمراہیوں کو بیان کیا ہے اور کھلے لفظوں میں ان کو کافر کہا ہے۔ پہلے فرقہ کی تکفیر جس کا نام مفسرین کرام نے فرقۂ یعقوبیہ بتلایا ہے قرآن نے ان الفاظ میں کی ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ۔ (مائدہ) — ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا کہ اللہ تو وہی مسیح ابن مریم ہے۔

اسی طرح دوسرے فرقہ کے متعلق جس کا نام ملکیہ ہے ارشاد ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ — وہ کافر ہیں جنہوں نے کہا کہ خدا تین میں کا تیسرا ہے

اب اسی آیت حق نما میں یہودیت کا بھی عکس دیکھ لیجیے کہ ان کا ایمان کفر اور شرک کے داغ دھبوں سے کہاں تک محفوظ تھا۔

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ (مائدہ) — ان اسرائیلیوں پر جنھوں نے کفر کیا تھا داؤد اور عیسیٰ علیہما السلام کی زبان سے لعنت کی گئی۔

ایک جگہ اور قرآن ایسی ہی لعنت کا ذکر کرتا ہے۔

وَلٰكِنْ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ۔ لیکن خدا نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت کی۔

علاوہ بریں توراۃ میں سے بعض فرقوں کے شرک میں مبتلا ہو جانے کی تفصیلات مذکور ہیں۔

لیکن قرآن کی ان آیات سے جن میں ان مغضوب اور گمراہ اقوام کی روحانی نجاستوں اور اعتقادی بربادیوں کا پردہ چاک کیا گیا ہے یہ لازم نہیں آتا کہ ساری کی ساری امت اسی نحوست اور ملعونیت کا شکار تھی۔ بیشک اکثریت تو انھیں کو رنجتوں کی تھی جن کی متاع ایمان کفر اور شرک کے ہاتھوں لٹ چکی تھی مگر ایک گروہ پھر بھی حق پسندوں کا موجود تھا جن کے قلوب میں ایمان کا حقیقی نور جگمگا رہا تھا اور جن کے اعتقادات حقہ ان کی اہوار و آرا رکے سانچے میں نہیں ڈھالے گئے تھے، چنانچہ قرآن نے جہاں بھی ان کی بداعمالیوں اور بداعتقادیوں پر نکتہ چینی کی ہے وہاں پوری قوم کو سامنے نہیں رکھا ہے۔ آیۃ لم یکن الذین کفروا من اہل الکتاب میں من تبعیضیہ استعمال کرکے اہل کتاب کو دو گروہوں میں بانٹ دیا ہے یعنی اہل کفر اور اہل حق۔ ایک دوسرے مقام پر عام اہل کتاب اور اس فرقۂ خاص کو بالکل صریح الفاظ میں الگ الگ کر دیا ہے۔

وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ۔ اور بیشک ان میں سے ایک گروہ حق کو چھپاتا ہے۔

اسی طرح جگہ جگہ اس حق آگاہ اور حق پرست جماعت کو عام بدبختوں اور گمراہوں سے الگ کرکے قرآن اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے چنانچہ یہود کی شرارتوں اور ان کی علمی و عملی خیانتوں کا جہاں ذکر کیا ہے وہاں بھی فرمایا ہے۔

وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ اور تو برابر ان کی خیانتوں پر مطلع ہوتا رہے گا انہیں سے چند لوگوں کے سوا۔

یعنی ان میں چند ارباب حق بھی موجود ہیں جو تحریف اور خیانت جیسے قبیح جرموں سے مجتنب اور اپنی فطری

سعادتوں کی بنا پر ابتک حق کا سررشتہ تھامے ہوئے ہیں ایک جگہ سورۂ اعراف میں تو صاف صاف کہدیا گیا ہے

وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰىٓ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَ بِهٖ يَعْدِلُوْنَ ۔ اور موسیٰ کی قوم میں ایک گروہ ہے جو حق کی راہ تبلاتا اور اسی کے مطابق فیصلہ کرتا ہے ۔

اور بالآخر یہی لوگ قبول حق کی فطری صلاحیتوں کی بنا پر رفتہ رفتہ حلقہ بگوش اسلام ہوتے گئے جیسا خود قرآن ہی کا ارشاد ہے۔

لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِى الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ ۔ الاٰیۃ لیکن ان (یہود) میں سے جو راسخین فی العلم ہیں وہ اور مؤمنین ایمان رکھتے ہیں ۔ الخ۔

یہود کی طرح نصاریٰ میں بھی ایک گروہ موجود تھا جو آسمانی بادشاہت کے ظل عاطفت سے ابھی باہر نہیں نکلا تھا، نہ دوسرے فرقوں کی طرح اپنی متاع ایمان برباد کر چکا تھا اور نہ اس کے اعتقادات کا چشمۂ صافی شرک کی کدورتوں اور نجاستوں سے ملوث ہوا تھا، قرآن ان کی میانہ روی کو یوں سراہتا ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ۔ اگر وہ قائم رکھتے توریت اور انجیل کو اور اس چیز کو جو ان کے رب کی جانب سے ان پر نازل ہوئی تو کھاتے اوپر سے اور اپنے پیروں تلے سے (ہاں) ان میں کچھ لوگ راہ راست پر ضرور رہے لیکن اکثر بد عمل ہیں۔

بلکہ یہودیوں کی بہ نسبت نصاریٰ میں حق پرستی کا مادہ زیادہ پایا جاتا تھا۔ اور ان کے اندر ایک اچھا خاصہ گروہ اسی "راہ اعتقاد" کا راہ رو تھا جس کی سلامت روی اور حق نوازی کا اعتراف قرآن ان مدحیہ الفاظ میں کرتا ہے۔

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى جب وہ رسول پر اترے ہوئے کلام کو سنتے ہیں تو تم دیکھتے

اَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ الآیۃ۔ جو ان کی آنکھوں کو کہ بے اختیار ابلی پڑتی ہیں بوجہ حق کے پہچاننے کے۔

چنانچہ نجاشی شہنشاہ حبش اس حق پرست گروہ کے باطنی کمالات کا ٹھیک آئینہ ہے، اس کے پوچھنے پر حضرت جعفر نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق جب قرآنی نقطہ نظر پیش کرکے کہا کہ حضرت عیسیٰ خدا کے ایک برگزیدہ پیغمبر اور کلمۃ اللہ ہیں تو اس کی زبان سے بے ساختہ نکلا کہ خدا کی قسم عیسیٰ اس کے علاوہ ایک تنکے کے برابر بھی زیادہ نہیں۔

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ اہل کتاب خواہ وہ عیسائی ہوں یا یہود علمی اور عملی دونوں حیثیتوں سے مختلف جماعتوں اور فرقوں میں بٹے ہوئے تھے اکثر تو اپنے نور فطرت کے فیضان کو کھو کر اپنی اہوا و امانی کو دین اور شریعت بنا بیٹھے تھے لیکن کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو خدا کی دی ہوئی شریعت کے سچے پیرو تھے۔

اب شروع سے آخر تک کی تفصیل کو نگاہ کے سامنے رکھیے۔ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ کی اباحت۔ لَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ اور وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ۔ کی تحریم نیز اہل کتاب کے ان مختلف الاعتقاد فرقوں کے متعلق قرآنی احکام اور تصریحات سب کو ملا کر غور کرنے سے عقدہ خود بخود حل ہو جاتا ہے کہ جب کفر اور شرک حرمت نکاح کی علت ٹھیری تو آیت جواز کے حکم میں عام اہل کتاب جن کے کفر اور شرک کا اعلان قرآن بار بار کرتا ہے نہیں داخل ہو سکتے بلکہ وہی لوگ اس کے تحت میں آئیں گے جو خدا کی بتائی ہوئی راہ پر ابھی تک قائم ہیں اور جو لوگ کہ بتدریج اسلامی بادۂ حقیقت کے ذوق آشناؤں میں داخل ہوتے گئے۔ جلد یا بدیر۔

چنانچہ فقہائے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعض مخفی اشارات اور اقوال سے بھی اسی حقیقت کی طرف رہنمائی ہوتی ہے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اس آیت کے عموم سے نصاریٰ بنی تغلب کو مستثنیٰ کرتے ہوئے فرمایا لیسوا علی النصرانیۃ ولم یاخذوا منہا

۱۸ شرب الخمر یعنی نصرانیت کو ان سے کوئی تعلق نہیں انہوں نے مے نوشی کے سوا اس سے کچھ بھی نہ لیا
سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر تفقہ فی الدین کی نعمت کتنوں کو ملی ہے صاف فرماتے ہیں ۔
خدا نے جب مشرک کے نکاح سے منع فرمایا ہے تو الوہیت عیسیٰ کے اعتقاد سے بڑھ کر شرک عظیم اور کیا ہو سکتا ہے
پھر نکاح دائمی محبت اور تعلق کا ایک زبردست عہد و پیمان ہوتا ہے اور قرآن معاندین حق اور اعدائے اسلام سے اس قسم کے گہرے تعلقات کی شدت سے مخالفت کرتا ہے ۔
لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ اَوْلِیَآءَ اپنے اور میرے دشمنوں (کفار و مشرکین) کو دوست نہ بناؤ
ازدواجی تعلقات سے بڑھ کر دوستی اور کیا ہو سکتی ہے ۔ اسلامی تعلیمات کا فلسفہ تو بالکل صاف ہے کہ جن راستوں میں ایمان کے دامن کو کفر کی خارزار میں الجھنے کا ذرا بھی اندیشہ ہوتا ہے اُن پر قدم رکھنے کی ہرگز اجازت نہیں دیتا اور نفسیات کے واقف کاروں سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ ازدواجی محبت کس حد تک انقلابی اثر رکھتی ہے ۔

ان تصریحات کی روشنی میں آج کل کے اہل کتاب کے متعلق غور فرمائیے کہ ان میں سے کتنے ہیں جو توریت و انجیل کے سچے پیرو ہیں، کون فرقہ ہے جس کو منھم امۃ مقتصدۃ کا خطاب دیا جا سکتا ہے، کتنے یھدون بالحق وبہ یعدلون کے معیار پر پورے اتر سکتے ہیں اور کتنوں کی آنکھیں معرفت حق کے ساتھ ابل پڑتی ہیں؟ اہل کتاب کے اندر یہ اوصاف اگر آج عنقا ہیں اور یقیناً ہیں تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ آج نکاح کتابیات کی اباحت کا دروازہ کھولا جائے ۔

سیاسی نقطۂ نظر | یہ تو دین و مذہب کا فیصلہ تھا جسے بغیر قیاس و حجت کی آمیزش کے پیش کر دیا گیا لیکن سیاسی اور قومی مصالح بھی کسی طرح اس موالاۃ اور اختلاط کی اجازت نہیں دیتے بالخصوص اس زمانہ کے لیے جبکہ ایمان کی بنیاد دین دن بدن کھوکھلی ہوتی جا رہی ہیں اور مسلمانوں کا دین و اسلام حوادث روزگار کے بے پناہ سیلاب میں حباب کی طرح بہتا چلا جا رہا ہے اور مغرب کی مطلق العنان تہذیب کی ہر صدا پر

اسلام کی روح قربان کی جارہی ہے ۔ اس خطرناک فتنہ کو دیکھکر دردمند مسلمانوں کو کبھی بھی خاموش نہ بیٹھنا چاہیے یہ نرے الفاظ نہیں بلکہ حقیقت اور تجربہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے ہزارہا نوجوان اور ان کے واسطہ سے انکے خاندان اسلام سے اور اسلامی تعلیمات سے دور ہوتے جارہے ہیں اور یہ غارتگران دین و ایمان نہایت خاموشی کے ساتھ اپنی سحرآفرینیوں کے ذریعہ مسیحی مشن کو کامیاب بنا رہی ہیں۔

علاوہ ازیں اس کے ذریعہ مغربی تہذیب کی کیسی زبردست تبلیغ اسلامی ماحول میں ہورہی ہے ظاہر ہے کہ اس نئے تمدن کو ہر جگہ تفوق اور ہمہ گیری حاصل ہوتی جارہی ہے اس لیئے جو نسلیں ان عورتوں سے پیدا ہوں گی وہ بھلا کب اسلامی تہذیب اور اصول معاشرت کو اختیار کرسکتی ہیں نتیجہ یہ ہوگا کہ مغربی تہذیب اور معاشرت کا ایک ایک عنصر اسلامی تعلیمات کی جگہ لے لے گا اور ملی مفاد اور دینی غیرت تو درکنار قومی احساسات بھی سرد پڑتے جائیں گے۔

پھر مسلمانوں کی اقتصادی کمزوریاں تو کبھی بھی اس کی اجازت نہیں دے سکتیں کہ وہ یورپین تہذیب کا بار اٹھا سکیں، ہمارا تجربہ خود شاہد ہے کہ کتنے اسی شوق کے پیچھے ننگ و ناموس کھو بیٹھے اور کتنے معاشی حیثیت سے تباہ و برباد ہوگئے۔

ملی و اجتماعی نقطہ نظر اب آخر میں میں علمی اور اجتماعی حیثیت سے اس مسئلہ کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں اقوام عالم کے باہمی اختلاط اور نوجوانان عالم کی آزادروی نے اس کو ایک مستقل اور بین الاقوامی مسئلہ بنا دیا ہے۔ جس نے دنیا کے سنجیدہ اور متفکر دماغوں کو اپنی طرف متوجہ کرلیا۔ بالآخر ارباب غور و فکر اپنے مصالح قومی کے لیے مضرت رسان دیکھکر اس کے خلاف سخت احتجاج کررہے ہیں ان کے خیالات کسی قدر حذف و اضافہ کے ساتھ اپنے الفاظ میں پیش کرتا ہوں۔

آج کل ہمارے ترقی پسند اور آزاد خیال نوجوان یورپین عورت کو اس بنا پر ترجیح دے رہے ہیں کہ وہ رفتار زمانہ کا ساتھ دینے کے لیے اپنے اندر کافی صلاحیت رکھتی ہے۔ تہذیب و تمدن کے میدان میں مردوں کے

روش بد وش چل رہی ہے اسے مشرقی عورتوں کی طرح تعلیم و تادیب کی ضرورت نہیں۔ دوسرے ازدواج کا یہ آزاد طریقہ زندگی کو خوش گوار بنانے کے لیے نہایت موزوں اور ضروری ہے، زن و شوہر ایک دوسرے کے عادات وخصائل اور اصول زندگی سے کافی حد تک پہلے ہی واقف ہو چکتے ہیں لہذا ان کے ذاتی تجربات کے بعد جو سلسلۂ ازدواج قائم کیا جائیگا وہ حقیقی محبت اور پرخلوص تعلقات پر مبنی ہوگا۔ اور اختلاف طبائع کے زندگی تلخ کر دینے والے مصائب سے محفوظ رہ کر زندگی میں وہ اطمینان حاصل ہوگا جو اس تعلق کی جان ہے۔ ان وجوہ کی بنا پر سمجھا جاتا ہے کہ یورپین عورتوں سے شادیاں کرنا گویا حقیقی مسرت اور سعادت حاصل کرنا ہے۔

مگر کیا یہ سعادت اور مسرّت واقعی سعادت اور مسرت ہے یا محض خوش فہمی کا ایک کرشمہ؟

یہ تو ایک مسّلم حقیقت ہے کہ نکاح ایک دائمی تعلق اور زن و شوہر کی باہمی معاشرت کا نام ہے جس کے اندر ایک زبردست اور اہم ترین مصلحت حیات پوشیدہ ہے یعنی اولاد اور نسل کی مصلحت کبریٰ جو زوجین کو مجبور کرتی ہے کہ دونوں اپنے مزاجی تباین اور طبیعت کے مختلف رجحانات اور غیر متوازن احساسات کو ایک سطح پر لا کھڑا کریں۔ گویا وہ اصولاً ایک دوسرے کی طرف جھکنے، اور ایک دوسرے کے اطوار و خصائل کو بنظر استحسان دیکھنے یا کم از کم مداہنت سے کام لینے پر مجبور رہتے ہیں، اور یہی چیز سعادت اور کامرانی حیات کی بنیاد ہے لیکن یہ جھکاؤ یا باہمی رعایت محض مصالح اولاد ہی کا کرشمہ نہیں ہے بلکہ ماحول اور سوسائٹی کا اخلاقی قانون یا طرز معاشرت ہر شخص کو مجبور کرتا ہے کہ وہ اس کے احکام کے دائرہ سے باہر قدم نہ رکھے، انسان اس کے مطابق چل کر طبیعت میں سکون، اور اس کی خلاف ورزی کرکے ایک اضطراب، خوف اور حیا محسوس کرتا ہے لیکن جب ایک شخص اپنے ماحول اور اپنی سوسائٹی سے باہر ہوتا ہے اس وقت اس کا دماغ سوسائٹی کے اخلاقی قیود سے بالکل آزاد ہو جاتا ہے پھر وہ اپنے اغراض و مقاصد کے دوران تحصیل میں ان تمام زنجیروں کو بڑی آسانی کے ساتھ توڑ دیتا ہے جن میں وہ اپنے وطن اور سوسائٹی کے اندر جکڑا ہوا تھا کیوں کہ اس اجنبی ماحول کے اندر اپنی خاص سوسائٹی کے آئین معاشرت کا اسے تصور تک نہیں آتا جس کی مخالفت

کرنے میں اس کو خوف یا حیا دامن گیر ہو۔

یہ نفسیات کا نہایت واضح مسئلہ ہے۔ عورتیں بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں۔ جب ایک اجنبی عورت اپنے ملک کو چھوڑ کر اپنے شوہر کے ہمراہ نئے ملک اور نئی معاشرت میں آتی ہے تو وہاں کی ہر چیز، ہر شکل، ہر طرز، ہر روش اس کی نظروں میں انوکھی اور اوپری معلوم ہوتی ہے جس سے اس کی طبیعت کو اخلاقی یا طبعی کوئی انس نہیں ہوتا۔ دوسری طرف چونکہ وہ اپنے پرانے ماحول اور اس کی تقییدات سے بھی آزاد ہو چکی ہوتی ہے، اس لیے خود اپنی قومی تہذیب کے خلاف عمل کرنے میں بھی اسے کسی بات کا خطرہ نہیں ہوتا اور وہ اپنے ہم قوموں سے جدا ہو کر انتہا درجہ کی بے قید اور بے حیا ہو جاتی ہے۔ ازدواجی زندگی کے تمدنی فرائض کو بھی انجام دینے کی صلاحیت اس میں بہت ہی کم رہ جاتی ہے تاآنکہ اس کے دل پر شوہر کی محبت کا سکہ بیٹھا ہوا ہے لیکن یہ محبت یقیناً سعادت حیات کی پوری طرح کفیل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس کے لیے اس نسلی اور وطنی وفاق کا ہونا ضروری ہے جس کا فلسفہ ابھی ہم اختصار کے ساتھ بیان کر چکے ہیں۔ لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ دو اجنبی زوجین کے درمیان ازدواجی تعلق اتنا پختہ، مضبوط اور حیات آفریں نہیں ہو سکتا جتنا دو ہم قوم زن و شوہر کے اندر ہوتا ہے۔

ایسے تعلق کا اولاد پر اثر تناسلی لحاظ سے انسان اور حیوان میں کوئی فرق نہیں اور جس طرح ایک جنس کے حیوان کے اندر جواہر منویہ کے لحاظ سے بہت سی نوعیں ہوتی ہیں بعینہٖ یہی حال انسان کا ہے، ساتھ ہی یہ بات بھی تجربوں کے حدود میں آ چکی ہے کہ ہر نوع دوسری نوع سے بہت سی خصوصیات میں جدا ہوتی ہے مثال کے طور پر ایک تیز گھوڑے کو لیجیے جو چھکڑے کھینچتا ہے اس کے مقابل میں ایک ایسی گھوڑی لیجیے، جو سواری کے لیے مخصوص ہے دونوں کے خصائص بالکل جدا جدا ہوں گے اب اگر ان دونوں سے بچہ پیدا ہوگا تو اس کے اندر ایک خاص نقص اور بودا پن پایا جائے گا کیونکہ اس کا مزاج ماں اور باپ دونوں کے متضاد مزاجوں سے متاثر ہوگا نتیجہ یہ ہوگا کہ نہ تو اس کے اندر چھکڑا کھینچنے والے گھوڑوں جیسی قوت اور مضبوطی ہوگی نہ سواری کے گھوڑوں

جیسی پھرتی اور تیز رفتاری بلکہ دونوں کے بین بین وہ ایک نکمی اور کمزور مخلوق بن کر رہ جائے گا۔

بعینہٖ یہی حال مختلف نسل وقوم کے انسانوں کا ہے۔ ہر ایک نوع کے مختلف خواص اور مقتضیات ہیں، مصری اقوام کا مزاج الگ ہوتا ہے چینی کا الگ۔ جب ایک مصری مرد مصری عورت سے رابطۂ زوجیت جوڑتا ہے تو اس کی نسل صحیح معنوں میں مصری خصوصیات کی وارث ہوتی ہے لیکن جب اولاد مخلوط ہوگی تو اس کے اخلاق وعادات کے اندر وہ جوہر صافی نہیں پایا جا سکتا بلکہ اس کے احساسات اور جذبات کی اگر تحلیل کی جائے تو ان کے اندر یقیناً متباین حقائق اور غیر متوافق رجحانات کی آمیزش نظر آئے گی۔

ممکن ہے کہ یہ تباین اور اختلاف فطانت اور ذکاوت کا جوہر اولاد میں پیدا کر دے لیکن وہ اخلاق کی روح کو تو یقیناً بری طرح صدمہ پہونچائے گا۔ اس کی مزید تشریح کی اگر ضرورت ہو تو مثال کے طور پر دو جانوروں کو لیجیے۔ فرض کیجیے کہ ایک کتا ہے جو کسی یورش کے موقع پر راہ فرار اختیار کرتا اور اپنی پناہ ڈھونڈھنے لگتا ہے۔ اس کے مقابل میں ایک مادۂ سگ ہے جو ایسے مواقع پر بھاگنے کے بجائے جان پر کھیل کر حملہ کرتی ہے اب اگر ان دونوں کے اختلاط سے کوئی بچہ پیدا ہو تو یقیناً وہ دو متضاد موثروں کا نتیجہ یعنی بزدلی اور چالاکی کا جامع ہوگا۔ اور در اصل یہ جبن یعنی ضعف خلق ہی اس کی ذکاوت کا سبب ہوگا کیونکہ وہ ہر ایسے مقام پر متردد اور متفکر ہوگا۔ اس کے باپ کی خصوصیات کا جو اثر اس کے مزاج پر ہے وہ فرار ہونے کی رغبت دلائے گا لیکن جہاں تک ماں کے مزاج کو دخل ہے وہ ثبات واستقلال کا داعی ہوگا۔ پس وہ اس وقت عجیب کشمکش یا تذبذب میں مبتلا اور متضاد کیفیات سے دوچار ہوگا۔ یہ تردد اور تذبذب جس کے اندر بزدلی اور کمزوری اخلاق کا پہلو بالکل نمایاں ہے، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ آگے بڑھنے کے بجائے موقع کی نزاکت اور اس کے نشیب وفراز پر غور کرنا شروع کرے گا۔ اور یہ غور وفکر کا مادہ یا ذکاوت طبع اسی پدری خون کا اثر ہے جو اس کے خمیر میں موجود ہے۔

ان تمثیلات کو سامنے رکھیے حقیقت بالکل بے نقاب ہو کر نگاہوں کے سامنے آجائے گی کہ اس قسم کی

شادیاں قوم و نسل کے اندر اخلاقی امراض کے مہلک جراثیم کس طرح پیدا کرتی ہیں۔ ضرور ہے کہ ایسی نسل جرائم پیشہ ہو کیونکہ وہ کسی بات پر ہرگز نہیں جم سکتی، وہ ہر کام کی ابتدا شک اور تردد سے کرے گی، عزم و ثبات سے جو نجاح و کامرانی کی اولین شرط ہے اس کا دل بالکل خالی ہوگا، تردد اور تذبذب اس کی فطرت ثانیہ بن جائے گی۔ نہ اس کے اندر باپ کے قومی خصائص اور مزایا موجود ہوں گے نہ ماں کے، گو ان دونوں سے زیادہ ذکی اور فطین ہو لیکن کامرانی حیات انفرادی یا جماعتی ہر حیثیت سے ذکاوت طبع سے زیادہ اخلاق کی محتاج ہے بلکہ صرف اخلاق ہی کی اسے احتیاج ہے۔

تاریخی حقائق سے بڑھ کر قابل اعتبار اور اطمینان آفرین کوئی شہادت اور کوئی حجت نہیں، روم و یونان کی تاریخ ہمارے سامنے ہے۔ اس کا فلسفۂ زوال اگر دریافت کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ ازدواج با لاجانب کی نامحمود رسم نے ان کی آبائی شجاعتوں کا کس طرح ستیاناس کر کے ذلت و پستی کے غار میں انھیں ڈھکیل دیا۔ اور اگر ان تمام سے بھی بڑھ کر واضح ثبوت اور قابل عبرت مثال دیکھنا ہو تو پرتگال کی حالت کو دیکھیے جو اس وقت تمام دول غربیہ میں سب سے زیادہ کمزور اور زوال پذیر ملک ہے اور اس کی وجہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ یہاں قوم کی رگوں میں کوئی خالص خون موجود نہیں ہے بلکہ زنگیوں اور فرنگیوں کا باہمی اختلاط قومی اور ملکی زندگی پیدا ہی نہیں ہونے دیتا۔ خلاصۂ بحث یہ ہے کہ اس طرح کے ازدواجی تعلقات دونوں حیثیتوں سے ملک و ملت کے لیئے مضر اور اس کی تباہی کا سامان ہیں ایک طرف تو انسان کو اصلی زندگی اور اس کی مسرتیں نہیں میسر آسکتیں، دوسری طرف نسل نہایت ضعیف الاخلاق اور ناکارہ پیدا ہوتی ہے۔

آخری گذارش انکاح کتابیہ اس ساری بحث کا موضوع ہے، کتابیات یعنی یہود و نصاریٰ کی عورتیں ہم سے مذہب، وطن، نسل، تہذیب، اخلاق و عادات ہر ایک چیز میں جدا ہیں۔ لیکن اسلامی جماعت سے ان کا اختلاط جس حیرت انگیز اور خطرناک طریقہ سے روبہ ترقی ہے، اہل نظر سے پوشیدہ نہیں، ملک و قوم کے لیے یہ

اختلاط جائز ہے یا ناجائز؟ مفید ہے یا مضر؟ اوپر کی سطروں میں انھیں امور سے بحث کی گئی ہے اور اجمالاً اس حقیقت کو الفاظ کے پردہ پر دکھلانے کی کوشش کی گئی ہے کہ اسلام کی شریعت، اس کی موجودہ سیاسی حالت اور اسکی اقتصادی کمزوری اس امر کی ہرگز اجازت نہیں دیتی کہ اہل اسلام اس خطرناک فتنہ سے غفلت برتیں، آخر میں علمی اور اجتماعی نقطۂ نظر سے بھی اس کے مضر اثرات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

کیا مشرق، بالخصوص ہندی مسلمانوں کو وقت کے اس نہایت اہم سیاسی اور مذہبی فتنہ کا سد باب نہیں کرنا چاہیے۔ اور کیا ضرورت نہیں ہے کہ سمجھ بوجھ رکھنے والے اور قومی درد رکھنے والے قوم کی اس مہلک آفت پر فوری توجہ کریں۔

استدراک

خوش قسمتی سے یہ مضمون ایسے وقت آیا جب کہ خود ہم کو اس مسئلہ پر اظہار رائے کی ضرورت درپیش تھی۔ ہمارے ایک دوست کا تقاضا تھا کہ "فرنگیات" کی درآمد کا فتنہ بڑھتا جا رہا ہے، اور نکاح کتابیہ کی اجازت کا شرعی مسئلہ اس کے لیے بہانہ بن گیا ہے لہذا اس کے متعلق شرعی احکام کی صحیح تشریح ہونی چاہیے انہوں نے اس پر ایک مفصل استفسار بھی لکھ کر بھیج دیا تھا، مگر اب اس کو شائع کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہی، کیونکہ جن امور کی طرف انہوں نے اپنے استفسار میں توجہ دلائی تھی ان سب کو مولوی صدر الدین صاحب نے اپنے مضمون میں بیان کر دیا ہے۔

اس میں کسی شک و شبہہ کی گنجائش نہیں کہ یہ ایک بڑا فتنہ ہے ہندوستان اور مصر و شام وغیرہ ممالک میں تو اس کا اثر صرف اسی حد تک رہا کہ اسلامی نظام معاشرت میں گھس کر اس نے تہذیب اسلامی کی بیخ کنی شروع کر دی لیکن ٹرکی میں اس کے سیاسی نتائج بھی نہایت خطرناک ثابت ہوئے ہیں، اور اس کی بدولت